© rasailojaraid.com

کس لئے؟

از

(حضرت مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

ملکہ سچ تو یہ ہے کہ شرک قدیم ہو یا جدید، آثار و نتائج بھی دونوں ہی کے ایک دوسرے سے ملتے جلتے ہیں، سب کی تفصیل تو مشکل ہے لیکن چند کھلی کھلی واضح چیزوں کا ذکر کیا جاتا ہے۔ مثلاً یہی کہ "خدا فراموشی" آدمی کو "خود فراموشی" کے ذہنی عذاب میں مبتلا کر دیتی ہے

قرآنی قانون

نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسَاهُمْ اَنْفُسَهُمْ (الحشر) — بھول گئے وہ اللہ کو، پس بھلا دیا اللہ نے ان کو اپنے آپ سے۔

کا جو مفاد و اقتضاء ہے۔

یا مآلاً اسی کے قریب قریب نفسیاتی مکافات و مجازات کا یہ قدرتی دستور یعنی "آغاز فراموشوں" کا دل و دماغ "انجام فراموشی" کی آفت سے ماؤف ہو جاتا ہے دوسرے لفظوں میں جس کا حاصل یہی ہے، کہ "انجام اندیشی" کی بصیرت سے ان کو محروم کر دیا جاتا ہے، جو "آغاز" سے آنکھیں چراتے ہوئے اپنے جینے کا پروگرام بناتے ہیں، اور اپنی زندگی کے قیمتی سرمایہ کے ساتھ کاروبار کرتے ہوئے نہ یہ سوچتے ہیں اور نہ سوچنا چاہتے ہیں کہ جہاں سے ان کو یہ سرمایہ ملا ہے وہاں کا منشاء کیا ہے؟ یہی ناشکری، نمک حرامی، اور کفر کی ذہنیت ہے، یوں تو سارا قرآن ہی اس "قدرتی قانون" کے ذکر سے بھرا ہوا ہے لیکن سورۂ ممتحنہ کے خاتمہ کی آیتیں جن میں اہلِ ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ

لَا تَتَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ — نہ میل جول رکھنا ان لوگوں سے جن پر اللہ کا غصہ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

قَدْ یَئِسُوْا مِنَ الْاٰخِرَۃِ کَمَا یَئِسَ الْکُفَّارُ مِنْ اَصْحٰبِ الْقُبُوْرِ

بھڑک چکا ہے، وہ "الآخرۃ" (یعنی انجام) سے مایوس ہو چکے ہیں (اسی طرح مایوس) جیسے الکفار (ناشکروں کا طبقہ) مایوس ہو چکا ہے قبر والوں سے

ان الفاظ میں ایک طرف تو یہ بتایا گیا ہے، کہ قبر والوں (یعنی اصحاب قبور) سے مایوسی کا احساس کفر کی پیداوار ہے، اور دوسری طرف اس کو بھی واضح کر دیا گیا ہے کہ "انجام سے مایوسی کی یہ ذہنیت" اللہ کے غصہ کا نتیجہ ہے اور یہی میری غرض ہے کہ "انجام اندیشی" کی بصیرت سے محرومی، سمجھنے والے خواہ اسے خرد و دانش کا ہی تقاضا کیوں نہ سمجھتے ہوں، لیکن یاس و قنوط کا یہ احساس درحقیقت قدرتی انتقام کا ایک باطنی اور ذہنی رنگ ہے "آغاز" کی ذمہ داریوں سے بے اعتنائی "انجام" سے مایوسی کی اس کیفیت کو دلوں میں پیدا کرتی ہے اور اس وقت تک پیدا کرتی رہے گی، جب تک کہ "آغاز" سے لاپرواہی اختیار کی جائے گی، لاکھ سمجھایا جائے مگر مایوسوں پر سمجھ کا دروازہ بند کر دیا جاتا ہے، قرآن ہی میں یہ فرماتے ہوئے کہ خالقِ کائنات نے

كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ

(الانعام)

رحمت اور مہربانی کو اپنے اوپر واجب ٹھہرا لیا ہے (اس کی مہربانی اور رحمت ہی کا اقتضا ہے) کہ اکٹھا کرے گا تمہیں قیامت کے دن (قیامت کا وہی دن) جس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔

مطلب جس کا یہی ہے، کہ جو جینا چاہتے ہیں ان کو ہمیشہ کے لئے مٹا یا اور نیست و نابود کر کے نہیں رکھ دیا جائے گا۔ بلکہ پیدا کرنے والے کی رحمت ہی کا یہ اقتضا ہے کہ دنیا کی فرسودہ زندگی سے بھی زیادہ تر و تازہ حیات انھیں بخشی جائے گی۔

فہمائش کا یہ کتنا پیارا، کتنا دل آویز اور اثر انگیز لہجہ ہے اس سے زیادہ اور کیا کہا جاتا کہ جس پر کچھ بھی واجب نہیں ہے وہی اپنے اوپر رحم اور مہربانی کو واجب ٹھہراتے ہوئے، مرنے والوں

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کو دلاسا دے رہا ہے، کہ تم زندہ ہی رہو گے، مگر پڑھئے اسی کے بعد یہ بھی اطلاع دی گئی ہے، کہ

اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَھُمْ فَھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ — جنہوں نے اپنا دیوالہ نکال لیا ہے اور خسارے کے جو شکار ہو گئے ہیں! وہ کبھی نہ مانیں گے۔

یہ "دیوالہ" اور "خسارہ" جس کا ذکر یہاں کیا گیا ہے، اس کا تعلق زندگی کے اسی سرمایہ سے ہے، جس میں زندگی کے آغاز کے متعلق یکسوئی[1] حاصل کئے بغیر کاروباری تصرفات میں لوگ مشغول ہو جاتے ہیں، آگاہ کیا گیا ہے کہ لاکھ ان کو سمجھایا جائے کہ تم مٹو گے نہیں، مگر وہ اڑتے ہی چلے جائیں گے کہ ہم تو مٹ ہی کر رہیں گے، ہٹ دھرمی یا اصرارِ بے جا کی یہ دماغی کیفیت، سزائی کیفیت کے سوا بتائیے کہ اسے اور کیا سمجھا جائے۔

ان "دو قدرتی شکنجوں" کے ساتھ تیسرا قدرتی "شکنجہ" وہ بھی ہے جس میں دبے اور کسے ہوئے ذہنی سزا پانے والے قدرت کے مخفی انتقامی ہاتھوں سے سزا پاتے رہتے ہیں، اپنے لفظوں میں جس کی تعبیر

"اَحَدٌ اَوْ کُلُّ اَحَدٍ"

سے کر کے اردو میں اسی کا ترجمہ

"ایک یا ہر ایک"

کر دیا کرتا ہوں، تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایک خالق کے سامنے سے بھاگنے والے مجبور ہیں، کہ مخلوقات جن کی تعداد گنی نہیں جا سکتی، ان ہی کے پیچھے بھاگے پھریں، جو ایک

---

[1] یہ یاد رکھنا چاہئے "الدین القیم" کے پہلے حصہ میں اس پر کافی بحث ہو چکی ہے کہ اس سلسلہ میں یکسوئی حاصل کرنے کی جو قدرتی طبعی راہ ہے اس سے بے تعلق ہو کر صرف عقلی اور حسی قوتوں سے خدا تو خدا یہ فیصلہ بھی ناممکن ہے کہ زندگی کا آغاز کسی ایسی چیز سے ہوا جو زندگی سے خالی تھی یعنی مادہ کے وجود تک رسائی کا ذریعہ نہ پہلے کسی کے پاس تھا نہ آج ہے اور نہ آئندہ ہوگا "مادہ" صرف ایک لفظ ہے جس کا کوئی صحیح تخیل ان غریبوں کے پاس بھی نہیں ہے جو غایت سادگی میں اپنے آپ کو "مادہ پرست" مشہور کئے ہوئے ہیں۔ ایسی صورت میں عقل و دانش کے ساتھ یہ کتنا اہانت آمیز مسخر ہے کہ "خدا جو کچھ چاہتا ہے" ہم عقل و زور سے اس کو دریافت کر سکتے ہیں ۱۲

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے نہیں ڈرتا، اسے ہر ایک سے ڈرنا پڑتا ہے وہی ہر ایک کے آگے جھکنے پر بے بس ہو جاتے ہیں جو اس ایک کے آگے جھکنا نہیں چاہتے یہی قدرت کا ایک ایسا قدرتی شکنجہ ہے" جس کی گرفت سے نکلنے والے نکلنا بھی چاہیں تو نکل نہیں سکتے، آدمی کو اختیار دیا گیا ہے کہ ان دو پہلوؤں میں سے کسی ایک پہلو کو اختیار کر کے جئے اور مرے، دیکھے کہ آسودگی راحت و عافیت کی ضمانت کس میں ہے قرآن میں ان ہی دونوں پہلوؤں کی طرف اشارہ کر کے پوچھا گیا ہے کہ

ءَاَرْبَابٌ مُّتَفَرِّقُوْنَ خَيْرٌ اَمِ اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ

بہت سے پروردگاروں سے (اپنی پرورش کا تعلق قایم کر کے جینا) یہ بہتر ہے یا تنہا اللہ، جو سب پر سب سے زیادہ غالب ہے (اسی ایک کو اپنا پروردگار بنالینا)

اسی واقعہ کو دوسرے پیرایہ میں یوں بھی سمجھایا گیا ہے سورۂ "زمر" میں ہے۔

ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا رَّجُلًا فِيْهِ شُرَكَآءُ مُتَشَاكِسُوْنَ وَرَجُلًا سَلَمًا لِّرَجُلٍ

اللہ ایک مثال پیش کرتا ہے ایک آدمی تو ایسا ہے جو باہم چند کش مکش رکھنے والوں کے ساجھے میں ہے اور دوسرا آدمی وہ جو مسلّم ایک ہی شخص کے ساتھ مختص ہو؟

اسی مثال کو پیش کر کے پوچھا گیا ہے۔

هَلْ يَسْتَوِيٰنِ مَثَلًا ؟ کیا یہ دونوں برابر ہو جائیں گے۔

جواب تجربہ کے سپرد کر دیا گیا ہے وہی بتا سکتا ہے کہ زندگی کے ان دونوں مثالی شکلوں میں زندگی زندگی، کب تک باقی رہتی ہے اور موت سے زیادہ اجیرن بن کر یہی زندگی کب اور کس حال میں رہ جاتی ہے۔

بہر حال ایک کی نیاز مندی ہر ایک سے جب آدمی کو بے نیاز کر رہی ہو، ایک کا ڈر ہر ایک سے آدمی کو نڈر بنا رہا ہو، ایک کا سجدہ ہر ایک کے آگے ماتھا رگڑنے کی ذلت سے بچا لیتا ہو قدرت کے اس قانون سے استفادہ کی توفیق سے محرومی یقیناً سزا ہی کی ایک شکل ہو سکتی ہے جو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نمک حرامی کے مجرم ناشکروں کو دی جاتی ہے اور مرنے سے پہلے ہی دی جاتی ہے، زندانِ مصر میں یوسفی خطبہ کا یہ فقرہ یعنی

مَاکَانَ لَنَآ اَنْ نُّشْرِكَ بِاللّٰهِ مِنْ شَیْءٍ ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَیْنَا وَعَلَی النَّاسِ

ہمارے لئے یہ جائز نہیں رکھا گیا ہے کہ کسی چیز کو بھی اللہ کا شریک ٹھہرائیں یہ ہم پر بھی اللہ کا فضل ہے اور عام لوگوں پر بھی ہے۔

اس کی قدر و قیمت اب سمجھ میں آتی ہے۔

قرآن جس زمانہ میں نازل ہو رہا تھا اس وقت یا اس سے پہلے بھگتنے والے ان سزاؤں کو کس طرح بھگت رہے تھے جاہلیت ہی میں نہیں بلکہ یورپ و امریکہ کی "ابقراطیت" میں بھی اس کا جواب آپ کو مل سکتا ہے، کم از کم میرا ذاتی احساس یہی ہے کہ زیادہ مہیب اور زیادہ خوفناک قالب میں یہی باطنی سزائیں آج دنیا کے سروں پر کھیل رہی ہیں۔ بجز ایک خاص پہلو جس کا ذکر کیا جائے گا۔ یہ واقعہ ہے کہ یورپ و امریکہ کی "نشاءت جدیدہ" کی پیدا کی ہوئی مادی زندگی میں ان کے کوڑھ جس طرح پھوٹ پڑے ہیں، جو پھوڑے اور گھاؤ سر نکال رہے ہیں، جو گندگی، سڑاندھ اور عفونت ان سے ابل رہی ہے شاندان کو "دماغ پاش" بھبھکوں کا تجربہ گذری ہوئی جاہلیت کے زمانہ میں بھی مشکل ہی سے لوگوں کو ہوا ہوگا، میں جو کچھ عرض کرتا ہوں اسے پڑھئے اور بتائیے کہ اپنے اس احساس میں کس حد تک فقیر حق بجانب ہے دیکھئے "خدا فراموشی" کی سزائیں "خود فراموشی" کے عذاب کو تہذیب جدید کی نئی اور مادی مشرکانہ ذہنیت جس طریقہ سے خرید چکی ہے اور اپنی اس "خود فراموشی" پر اصرار و ناز جس حد تک ترقی کر کے پہنچ چکا ہے اس کی تفصیلی داستان آپ مجھ ہی سے سن چکے ہیں تحقیق و تلاش کی علمی فہرست میں دیکھ چکے کہ ذرہ سے آفتاب تک کیڑے مکوڑوں، جنگل کے بھیڑیوں، اور درندوں سانپوں اور بچھوؤں تک کے سامنے کس لئے کا سوال اور ؟ کا سوالیہ نشان بنا دیا گیا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھ کر اب تو اسی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کس لئے؟

کے سوال کو زمین سے اٹھا کر سیاروں تک بھی پہنچایا جا چکا ہے سورج کے اندر جو داغ اور دھبے دکھائی دیتے ہیں، پوچھا جا رہا ہے کہ وہ کیوں ہیں، اور کس لئے ہیں؟ مریخ کے سیارے میں دوربینوں سے جن نشانوں، اور لکیروں کا پتہ چلا ہے، کیوں اور کس لئے کے سوالات کے نشانے وہ بھی بن چکے ہیں۔

لیکن زمین اور آسمان کی ساری پیداواروں میں کس لئے کے اسی سوال سے محروم، قطعی محروم خود ان کا اپنا وجود بنا ہوا ہے، انسان کس لئے پیدا ہوا ہے، کس قدرتی نصب العین کی تکمیل آدمی کے وجود سے ہوتی ہے؟ عرض ہی کر چکا ہوں کہ یہی سوال ان کو بھلا دیا گیا ہے، ان کی مثال پانچ مسافروں کی اس ٹولی کی نظر آتی ہے، جن میں ہر ایک اپنے رفیقوں کو اسی طریقہ سے گنتا تھا کہ خود اپنے آپ کا گننا بھول جاتا تھا، کہرام مچا ہوا تھا کہ ہمارے پانچ رفیقوں میں کوئی نہ کوئی رفیق ضرور ڈوب مرا، باہم پوچھتے تھے کہ بجائے پانچ کے آخر میزان سب کی کل چار ہی کیوں ٹھہرتی ہے؟ آج دنیا کا نیا "انسان" اسی دماغی حادثہ کا شکار ہے، یقین مانئے کہ "خدا" جب تک یاد نہ آئے گا، اس وقت تک خود اپنے آپ کو بھی وہ کبھی یاد نہ آئیں گے۔

انسان کس لئے ہے؟ اس سوال کا جواب تو جواب میرا خیال تو یہی ہے کہ سوال کی یاد بھی ان کے حافظہ میں انگڑائی کیا کروٹ بھی نہیں بدل سکتی، یہ "خود فراموشی" اسی "خدا فراموشی" کی قدرتی سزا ہے، اپنے سوا کسی دوسری چیز کو آدمی بھول جائے یہ تو ہو سکتا ہے اور ہوتا ہی رہتا ہے لیکن اپنے آپ کو بھی بہ ثبات عقل و ہوش کوئی بھول جائے اپنے حافظہ سے خود نکل پڑے بظاہر یہ بات سمجھ میں نہیں آتی مگر جو واقعہ آپ کے سامنے ہے، بتائیے اس کا انکار کیسے کیا جائے یقیناً اپنے آپ سے آدمی بھلایا جا چکا ہے، خود اپنے حافظہ سے اس کی اپنی یاد چھینی جا چکی ہے اسی لئے تو اس کو میں "ذہنی عذاب" سمجھتا ہوں کہ بات جو سمجھ میں نہیں آتی وہی واقعہ بن کر ہم سب کے سامنے آ چکی ہے آخر اس کو عذاب نہ سمجھا جائے تو اور کیا سمجھا جائے؟

"خدا فراموشی"، "خود فراموشی" کے عذاب کو آدمی پر مسلط کرتی ہے، یہ زور تو

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نَسُوا اللّٰہَ فَاَنسَاھُمْ اَنفُسَھُمْ بھول گئے وہ اللہ کو، پس بھلا دیا اللہ نے ان کو اپنے آپ سے کے قرآنی قانون کا تھا۔

اب دیکھئے "آغاز" سے بے اعتنائی "انجام" سے آدمی کو اندھا کیسے بنا دیتی ہے۔

اَاِذَا مِتْنَا وَکُنَّا تُرَابًا ذٰلِكَ رَجْعٌ بَعِیْدٌ جب ہم مر جائیں گے اور خاک بن جائیں گے، پھر زندگی واپس ہوگی یہ دور از عقل خیال ہے۔

یہ احساس تو عرب کے جاہل بت پرست مشرکین کا تھا، لیکن آج نئی روشنی میں دیکھئے کیا ہو رہا ہے، یہ انسانی افکار پر ایک ازم کے بعد دوسرے ازم کی، دوسرے کے بعد تیسرے ازم کی ڈاک گاڑی مسلسل یکے بعد دیگرے، جو چھوڑی جا رہی ہے ان سارے ازموں کے انبار یا طومار کے اندر اگر صحیح طور پر ٹٹولے گا تو صرف یہی ہاتھ آئے گا کہ "ماضی" تو خیر "ماضی" ہی ہو چکا ہر "حال" کو دوزخ ثابت کرتے ہوئے، ہر ایک دوسرے کو اور ہر پہلی نسل پچھلی نسلوں کو "مستقبل" میں آدمی کے فردوس گم گشتہ کی پیداوار، صرف امیدوار اس طریقہ سے بناتی چلی جا رہی ہے کہ ہر امید دلانے والے کے سامنے سے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے، کہ اس کے "انجام" کے سوال کو اوجھل اور اوٹ میں ڈال دیا گیا ہے اور یوں دوسروں کو "مستقبل" کی جنت کی امید دلانے والے خود "حال" ہی کی "جہنموں" میں دم توڑتے چلے جا رہے ہیں، سچ تو یہ ہے کہ "ناتمام زندگی" میں زندگی کی تمام آرزوؤں کی یافت کی کوشش، غلط کوشش نے اس "ناتمام زندگی" کو بھی "ناکام زندگی" بنا کر چھوڑ دیا ہے، اسی لئے تو میں کہا کرتا ہوں،

"جنت کا انکار کرکے دیکھو! یہی خاکی زندگی جہنم بن کر تم سے لپٹ پڑے گی۔"

باقی "احد او کل احد" یعنی وہی

"ایک یا ہر ایک"

کا قدرتی شکنجہ، پرانے شرک کے مخبوطوں کو اس شکنجے کے اندر پھڑپھڑانے اور تڑپنے کا نظارہ تو جتنا دردناک ہے اس کا قصہ تو آگے آرہا ہے لیکن مادی شرک کی "عصری ذہنیت" کے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تماشے بھی اس سلسلہ میں کیا کچھ کم دلچسپ یا کم دل دوز ہیں، ایک کو چھوڑ کر بھاگنے والے آج کس کس کے پیچھے کہاں کہاں بھاگ کر ہو پنچ رہے ہیں، آنکھوں کے سامنے جو کچھ ہو رہا ہے زبان اور قلم سے اسے کیا دکھایا جائے؟ ایک سے نذر بن کر اپنے اوپر جن جن چیزوں کے ڈر کو لوگوں نے مسلط کر لیا ہے کیا ان کو ہم گن سکتے ہیں؟ پانی کا ایک ایک قطرہ جس زمانہ میں صرف زہریلے، کاٹ کھانے والے جراثیم کا سمندر بن چکا ہو، ہوا کی ہر موج ستمی جرمس اور مکٹیریا کی آندھی ٹھہرائی جا رہی ہو؟ گویا دوسرے لفظوں میں ساری دنیا دہشت وخوف، اندیشہ اور ہیبت کی دوزخ کا قالب اختیار کر چکی ہے، بدتمیزی کے اسی طوفان میں انسانیت کی بہتی ہوئی لاش سمجھی جاتی ہو، کہ بہ رہی ہے ایسی لاش جس کا نہ کوئی والی ہے نہ وارث، عذاب کے سوا بتایا جائے کہ اس "فکری روش" اور تصور کے اس طریقہ کو ہم اور کیا قرار دیں؟

حق تو یہ ہے کہ "اوہام وخرافات" کے پرانے عہد میں پرانے پیپل اور برگد کے ہر پیڑ پر شیطان کا گھونسلا اور املی کے ہر اکیلے درخت پر مان لیا جاتا تھا کہ بھوت پریت بسیرا لیتے ہیں، چڑیلوں سے باور کر لیا جاتا تھا کہ ہر ویرانہ آباد ہے، خالی مکانوں کو جنات اور پریاں اپنا مسکن بنا لیتی ہیں۔ گذرے ہوئے لوگوں کے ان پارینہ احساسات پر قہقہہ لگانے کا حق مری سمجھ میں تو نہیں آتا ان لوگوں کے لئے کیسے باقی رہا ہے جن کے لئے آج ہر لنگڑا مچھر دیوانے ہاتھی سے بھی زیادہ خوفناک بن چکا ہے، جس کی ہر بھنبھناہٹ ان کے لئے موت کی "آہٹ" اور مرگ کا پیغام بن جاتی ہے میں یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ باور کرایا جا رہا ہے یہ سب جھوٹ ہے بلکہ جیسے ان پرانے اوہامی خرافات پارینہ میں بھی کہنے والے آج بھی مانتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ "در حقیقت" کے دھوکے کبھی مخفی تھے میں مانتا ہوں کہ آج بھی جو کچھ پھیلایا جا رہا ہے اس کی بھی کچھ نہ کچھ ایسی "بنیاد" ضرور ہے، جس کی تجربہ سے تصدیق ہوتی ہے لیکن سوال اس خفقانی دور سے ہے جس کی بدولت راستہ کی ہر گری پڑی رسی، سانپ بن کر لوگوں کے سامنے لہرانے لگی ہے، یہ صحیح ہے کہ سانپ سے بھی راستوں کے چلنے والے دوچار ہو جاتے ہیں لیکن ہر رسی کو دیکھ کر اسی طرح بھاگنا جیسے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سانپ کو دیکھ کر آدمی بھاگتا ہو دماغی خبط کے سوا بتایا جائے کہ اسے آخر اور کیا باور کیا جائے؟

ایک ہی ارادہ، ایک ہی حکم، ایک ہی اذن، ایک ہی فعل کا یہ نظامِ محکم جس کا نام عالم ہے، آبادی انتشاری کثرتوں کی بکھری ہوئی دنیا کی شکل جن لوگوں کے لئے اختیار کر چکی ہے۔ انتشار اور کیسا انتشار؟ گویا کائنات کیا ہے ایک میدان ہے جس میں بگٹٹ گھوڑے ادھر سے ادھر سر پٹ بھاگے جارہے ہیں، کوئی نہیں جانتا کہ کب، کہاں کس کو اپنی ٹاپوں سے کچل کر رکھ دیں گے۔ ان کی جھپٹ میں کون کس وقت آجائے گا۔ حد ہے اس دماغی کوفت، اور "ذہنی دکھ" کی جس کے ھنبھل میں انسانی احساسات جھونک دئے گئے ہیں کوئی مانے یا نہ مانے لیکن ہے یہ قدرت کے اسی "شکنجہ" کی گرفت کا نتیجہ، جس کا نام میں نے "ایک یا ہر ایک" رکھ لیا ہے، آپ دیکھ رہے ہیں چاہا گیا کہ ایک کا ڈر دلوں سے نکال دیا جائے ابھی اس ایک کا ڈر پورے طور پر نکلا بھی نہ تھا کہ ہر ایک کا ڈر ان ہی دلوں میں گھس پڑا ایک سے ڈرو ورنہ ہر ایک سے ڈرنا پڑے گا یہ تو قدرت کا قانون ہے، اس قانون کی زد سے بچ کر نکل جانے کی صورت ہی کیا ہے؟ مخلوق پرستی کے اصنامی نظام کے زیر اثر اگلوں نے بھی یہی کیا تھا اور اب جو خالق سے روٹھ کر مخلوقات ہی میں سب کچھ ڈھونڈھنے کا نیا سائنٹفک طریقہ جاری ہوا ہے اس میں بھی یہی کیا جارہا ہے، اور جو کچھ کیا جارہا ہے اسی کا نتیجہ بھی بھگتا جارہا ہے۔ حیرت تو اس پر ہوتی ہے، کہ "ایک" سے بھی سرگرانیوں کا عارضہ پھیلا دیا گیا، لیکن "ایک" سے روٹھ کر "ہر ایک" کے منانے کی مہم سر کرنے کے لئے جو آمادہ ہوتے دیکھا جاتا ہے کہ کثرت کے اس بحرِ ناپیدا کنار میں وہ بھی اسباب و علل کی چند کڑیوں کے بعد تھک کر بیٹھ جاتے ہیں آگے کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں "مجہول اعتماد" کی مبہوتی کیفیت کے سوا خود ان ہی کے پاس کچھ نہیں ہوتا تو غریب پوچھنے والے کی تسلی وہ کیا کریں گے، ؟ حالانکہ ایک کو جب چھوڑ ہی دیا گیا تھا، تو "ہر ایک" کو قابو میں لائے بغیر اطمینان و سکون کی جو ضمانت بھی دی جائے گی، وہ جھوٹی اور قطعاً جھوٹی ضمانت اور ان سائنٹفک ضمانت ہوگی، اور یقین مانیے کہ اس "ضمانت" کے حاصل کرنے میں عقل و حواس والے نہ پہلے کبھی کامیاب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہوئے اور نہ آئندہ ہو سکتے ہیں۔

بہر حال اس قصے کو کہاں تک دراز کیا جائے خلاصہ یہی ہے کہ "خالق" جس کا سب کچھ ہے اس کے ساتھ طوطا چشمیوں کی راہ کل اختیار کی گئی ہو یا آج بے باکیوں کی راہ اسی کے متعلق آج کھولی گئی ہو، نتیجہ اس باغیانہ طریقہ کار کا ایک ہی رنگ میں چاہئے بھی یہی کہ سامنے آئے اور وہی سب کے سامنے آیا، جو تماشہ عاد و ثمود کے زمانہ میں دیکھا گیا تھا، آسمانِ کبود کے نیچے آج بھی وہی نظارہ پیش ہے، تو اس کے سوا اور ہوتا کیا؟ میں نے تو صرف اشارہ کیا ہے غور کرنے والے چاہیں تو ان اجمالی اشاروں کی روشنی میں تفصیلات کو خود سوچ سکتے ہیں۔

مگر آثار و نتائج کے اشتراک و یک رنگی کے باوجود اس کا اعتراف بھی واقعہ کا اعتراف ہو گا کہ "مخلوق پرستی کا اصنامی قالب" اور شرکِ قدیم کی جاہلی نوعیت یعنی

"بت پرستی"

کے پرانے فرسودہ مسلک کا ایک پہلو ایسا بھی ہے جس نے انسانیت کی اس "شدید گمراہی" اور "کج اندیشی" کو حد سے زیادہ خطرناک اور ایسا "فکری مغالطہ" بنا دیا ہے جس میں پھنس جانے کے بعد کلیۃً خلاصی کا مسئلہ پہلے بھی کافی دشوار ثابت ہوا ہے اور آج بھی اس کی نہ سلجھنے والی پیچیدگیوں کی گرہ کشائی آسان نہیں ہے

میرا مطلب یہ ہے بار بار ذکر کر چکا ہوں کہ خالق سے بے اعتنائی و لا پروائی کا رویہ اختیار کر کے "مادیت" کی "عصری ذہنیت" میں مخلوقات کے ساتھ صرف عقلی رشتہ جو نکہ قائم کیا جاتا ہے اس لئے قدرتاً مذہبی جذبہ کا جو رجحان انسانی فطرت میں پایا جاتا ہے وہ ان کے یہاں بے کار اور معطل ہو کر رہ گیا ہے صحیح ہو یا غلط کسی قسم کا کوئی کام اس جذبہ سے نہیں لیا جاتا ہے، برخلاف اس کے "بت پرستی" کے پرانے مسلک میں حسی اور عقلی قوتوں کے ساتھ ساتھ مخلوقات ہی کی طرف "مذہبی جذبہ" کا رخ بھی پھیر دیا جاتا تھا ظاہر ہے کہ کانوں میں انگلیاں ٹھونس کر اپنی شنوائی کی قوت کو کوئی اگر بے کار بنا لے اور رنگ روشنی جیسی چیزوں کے لئے بینائی کی قوت

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جو بخشی گئی ہے ان ہی کے دیکھنے اور جاننے میں اپنی بینائی کی اس قوت کو خرچ کرتا رہے تو شنوائی کے فوائد سے محرومی کے ساتھ ساتھ کوئی وجہ نہیں کہ قوتِ بینائی کے فوائد سے مستفید و متمتع نہ ہو، مادیت کے دورِ جدید میں مذہبی جذبہ کے تعطل اور بے کاری کے باوجود حسی اور عقلی قوتوں سے کافی فائدہ اٹھایا جارہا ہے، آخر کانوں میں اپنے جو ڈاٹ کس دے گا، اس کے کان ہی تو بند ہوں گے، آنکھیں جب اس کی کھلی ہوئی ہیں اور دیکھنے کا کام ان سے لے رہا ہے تو بینائی کے منافع سے وہ محروم ہی کیوں رہے گا۔

لیکن مخلوق پرستی کے مسلک قدیم اصنامیت کے دور میں جو کچھ کیا جارہا تھا یا اس وقت تک کرنے والے اس راہ میں جو کچھ کر رہے ہیں، ان کی مثال گویا اس شخص کی ہے جو آنکھوں کے ساتھ ساتھ چاہتا ہو کہ کانوں سے بھی دیکھنے ہی کا کام لے اور اسی فیصلہ یا ارادہ کے زیر اثر کپڑوں کو کان سے رگڑ رگڑ کر یہ چلانا چاہتا ہے، کہ وہ سرخ ہیں، یا سبز، سفید ہیں یا سیاہ،

الغرض بت پرستی، یا شرک کی "جاہلی ذہنیت" میں مخلوقات ہی کی طرف "مذہبی جذبہ" کا رخ جو پھیر دیا جاتا تھا، یا آج بھی کرنے والے یہی جو کر رہے ہیں۔ اس طرزِ عمل کے چند خطرناک اور مہلک نتائج میں آپ کے سامنے پیش کرتا ہوں۔

(۱) سب سے پہلی بات تو یہی ہے کہ قدرت نے جس مقصد اور غرض و غایت کے لئے جس چیز کو پیدا کیا ہے مثلاً کان سننے کے لئے دیے گئے ہیں، اب کوئی بجائے سننے کے دیکھنے کی کوشش میں شنوائی کی قوت کا تجربہ اگر کرے گا، اس تجربہ میں لاکھ ہاتھ پاؤں مارے روپے کی ندیاں ہی کیوں نہ بہادی جائیں۔ کچھ بھی خرچ کر ڈالا جائے۔ لیکن قدرت کے قانون کو کیسے بدل دیا جائے گا، شنوائی کی قوت کا جو کام ہی نہیں ہے، وہی کام اس سے کیسے لیا جاسکتا ہے

اب دیکھئے مذہبی جذبہ کی کمند تو آدمی کی جبلت میں "یزداں گیری" کے حوصلہ کی تکمیل کے لئے سجھائی گئی ہے، یعنی خالق کی جستجو اور تلاش، قرب اور نزدیکی کا کام "مخلوق انسان"

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اس سے پہلے، اور یوں باوجود مخلوق ہونے کے "خالق" تک رسائی حاصل کرنے میں وہ کامیاب ہو، ودیعت ہی کیا گیا ہے آدمی کی فطرت میں مذہب کا یہ جذبہ اسی نصب العین تک پہونچنے اور پہنچانے کے لئے، اس کا حقیقی مقصد اور بالذات غرض یہی اور فقط یہی ہے، اب اسی جذبہ کے رخ کو مخلوقات کی طرف پھیر کر ان ہی مخلوقات کے نفع بخش پہلوؤں سے مستفید ہونے یا ضرر رساں پہلوؤں سے بچنے کی کوشش کا انجام اس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے جو اب تک ہوتا رہا ہے اس تجربہ کی راہوں پر کون بتا سکتا ہے کہ اپنی پیشانیوں کی گاڑھے پسینوں کی کمائی ہوئی آمدنیوں کا کتنا بڑا ذخیرہ آدم کی اولاد انتہائی بے دردیوں کے ساتھ برباد کر چکی ہے اور برباد کرتی ہی چلی جاتی ہے دودھ ہی کی اس مقدار کو دنیا کے کس ترازو میں تولا جا سکتا ہے جو اب تک ان ہی سنگی مجسموں اور برنجی و آہنی مورتیوں کے قدموں پر بہائے گئے اور اس طور پر بہائے گئے کہ نہ ایک قطرہ اسی دودھ کا آدم کے بچوں کے حلق تک واپس ہوا، اور کسی دوسری شکل میں بھی اس کا کوئی نتیجہ نہ بہانے والوں ہی کے سامنے آیا، اور نہ کسی دوسرے آدمی کو اس کا نفع پہنچا۔

اور ایک دودھ ہی کیا نذر و نیاز منت اور چڑھاوے کے ناموں سے جنس اور نقد کی شکلوں میں جو کچھ اب تک ان راہوں میں برباد ہو چکا ہے نہیں کہا جا سکتا کہ کتنی ہزار صدیاں ان ہی کو زندگی بنا کر آدمؑ کی اولاد جی سکتی تھی لیکن آدمی کے بچوں کے ہاتھوں میں آجانے کے بعد ان کے منہ سے سب کچھ چھین لیا گیا اور اس طور پر چھین لیا گیا کہ ان کا کوئی ثمرہ کسی زمانہ میں خواہ کسی شکل میں ہو کسی کے سامنے کبھی نہیں آیا تماشہ یہ ہے کہ دیکھنے والے یہ سب کچھ دیکھ رہے ہیں، دیکھ رہے ہیں کہ کمائی ہوئی دولت انسانوں کی لاحاصل طور پر لٹ رہی ہے، لٹائی جا رہی ہے لیکن کوئی زبان بھی اس کے خلاف ہلا نہیں سکتا اور وقت، اناج کا جو ذخیرہ لاحاصل بن بن کر ان ہی راہوں میں ضائع ہوا بلکہ انسانی جانوں تک کو بھینٹ چڑھانے والوں نے بھینٹ چڑھایا اس کا ماتم کس سے کیجئے۔

© rasailojaraid.com